باب پنجم

لسانی تشکیلات

خصوصی مطالعہ

Scanned with CamScanner

اردو لسانیات کا دقیق مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اردو تنقید کی طرح اردو لسانیات میں بھی بہت سے نظریات وافکار مغرب کی مرہونِ منت ہیں۔ مغرب سے زبان کی پیدائش کے بارے میں اور زبان کی تشکیل کے بارے میں خیالات اخذ کیے گئے۔ مغربی تراجم کی بدولت اردو میں لسانی مباحث کے میدان میں اہم پیش رفت ہوئی اور ان تراجم کی بدولت اردو لسانیات میں مزید تحقیق وتنقید کے در وا ہوئے۔ اگرچہ لسانیات کے میدان میں ہم نے بہت سے نظریات وافکار مغرب سے مستعار لے رکھے ہیں البتہ اردو زبان کی پیدائش، ارتقا، نشو ونما اور دیگر نظریات خالصتاً اردو کے محققین کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح اردو قواعد پر ابتدائی طور پر اگرچہ مستشرقین نے کام کیا اور قواعد کی کتب ترتیب دیں تاہم ان کتب کی بنیاد پر مقامی ماہرینِ زبان اور ماہرینِ لسانیات نے محنت اور کاوش سے کام لیتے ہوئے ان کو درجہ استناد بخشا۔ یوں مجموعی طور لسانیات ہی ایسا شعبہ کہلا سکتا ہے جس میں ہمارے اپنے ماہرین ومحققین نے نسبتاً زیادہ کارہائے نمایاں انجام دیے اور غیروں سے نسبتاً کم فیض اکتساب کیا۔ اسی طور پر مقامی شعرا وادبا نے لسانی سطح پر ایک نئے باب کا آغاز کیا اور اردو میں ''لسانی تشکیلات'' کی بحث کا آغاز کیا۔

لسانی تشکیلات (Canon) سے وابستہ افراد نے لفظ اور معنی کے سلسلے میں نت نئے نظریات پیش کیے۔ ان کے بنیادی خیال یہ تھا کہ پرانے الفاظ نئے خیالات، احساسات اور جذبات کو درست طور پر بیان کرنے سے عاری ہیں۔ اس لیے نہ صرف نئے الفاظ تشکیل دیے جا سکتے ہیں بلکہ پرانے الفاظ کو بھی نئے معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ لسانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''معنیات'' لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے جس کے مطابق کسی بھی لفظ یا جملے کے معانی سو فیصد اپنا مفہوم ادا نہیں کر سکتے۔ ہر شاعر یا مصنف لفظ کے معنی کو اپنے تناظر میں دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ لسانی تشکیلات میں الفاظ اشیا کی نمائندگی کی بجائے بطور مرکب ترکیبی تصور کیے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں بحران پیدا کرنے والے موضوع کر رد کیا جاتا ہے اور اس بحث پر غور کیا جاتا ہے کہ فکر کے لسانی اور قبلِ لسانی عناصر کس طرح لسانی تشکیلات کے دامن میں سمٹ جاتے ہیں۔ یہی وہ مباحث ہیں جو نئے ادب کی

Scanned with CamScanner

ترجمانی کرتے ہیں۔ان کے مطابق لغوی اور ثانوی مفہوم کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر لفظ کا ثانوی مفہوم ادا نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی بھی لفظ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے تو اس کے مفہوم میں فرق ضرور آ جاتا ہے۔اسی طرح کسی بھی زبان میں لفظوں کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔اگر ان میں اضافہ کرنے یا توازن پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو زبان بحال نہیں رہ سکتی۔یعنی لفظ اور اس کے معنی میں توازن پیدا کرنے کے لیے شعوری کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۹۵۱ء سے ادب میں نئے مباحث نے جنم لینا شروع کیا۔لاہور میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۵ء تک نئے شعرا کی اکثریت نے جدیدیت اور نئی شاعری جیسے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔اسی حوالے سے کراچی میں صفدر میر نے نئی شاعری کے حوالے سے مضمون تحریر کیا تو تمام نئے شعرا نے بھی اپنا اپنا حصہ ڈالنا شروع کر دیا۔مبارک احمد اور جیلانی کامران نے بھی اس گروہ میں شمولیت اختیار کر لی اور نئے شعرا میں شامل ہو گئے۔اس ذیل میں افتخار جالب، وزیر آغا، تبسم کاشمیری، انیس ناگی اور ڈاکٹر سعادت سعید کے نام خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے لسانی تشکیلات (Canon) کے تحت نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کیا بلکہ اس ضمن میں عملی طور پر اپنی شاعری اور نثر میں اسے برت کر بھی دکھایا۔لسانی تشکیلات پر کام کرنے والے ناقدین کا کہنا ہے کہ میراجی اور فرائڈ نے شعوری نفسیات کے فروغ کو جنم دیا ہے اور شعور کی رو ہی لسانی تشکیلات کا نقطۂ آغاز ہے۔افتخار جالب اپنی تصنیف ''لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر'' میں لسانی تشکیلات کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

> ''اس میدانِ کارزار میں شمس الرحمان فاروقی نے اپنی انتھالوجی ''نئے نام'' اور رسالے ''شب خون'' کے ذریعے مبارزت طلبی کی۔ جیلانی کامران کی کتاب ''نئی نظم کے تقاضے''، افتخار جالب کا ''لسانی تشکیلات'' کا سلسلہ مضامین، انیس ناگی کی دو کتابیں ''شعری لسانیات'' اور ''نیا شعری افق''، سید سجاد کی مرتبہ انتھالوجی ''نئی نظمیں''، افتخار جالب کے مرتب کردہ مضامین کا مجموعہ ''نئی شاعری''، سلیم احمد، اختر احسن، عارف امان، عزیز الحق، فہیم جوزی، سعادت سعید، تبسم کاشمیری، سہیل احمد خاں، آزاد کوثری اور امجد اسلام امجد کے مضامین اور کتابیں اسی دور کی جدلیاتی

Scanned with CamScanner

صورتِ حال سے جہت لیتی ہیں۔ابھی نئی شاعری کی کنسالیڈیشن ہو رہی تھی کہ قمر جمیل نے کراچی سے ''نثری نظم'' کا دھماکا بولا۔۔۔۔جس کے ہراول دستے میں احمد ہمیش، قمر جمیل، محمد سلیم الرحمٰن اور عباس اطہر ہی پر مشتمل تھا اور آخر اس میں راشد بھی شامل ہو کر لندن جا بسے اور ہم ہیں کہ ۱۹۷۶ء سے کراچی ہی میں ہیں۔''[۱]

لسانی تشکیلات میں کسی بھی لفظ کی Meaning to Meaning جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔لسانی تشکیلات اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ کسی بھی لفظ یا جملے کا مفہوم بیان کرنے کے لیے ہم معنیات سے مدد لیتے ہیں لیکن معنیات کا مفہوم ہر انسان یا ہر زبان کے لیے علیحدہ ہوتا ہے۔اسی لیے لسانی تشکیلات میں معنیات کو اپنے تناظر میں پرکھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے نئی شاعری میں معنیات اور نشانیات کا چرچا پایا جاتا ہے۔افتخار جالب بیان کرتے ہیں:

''شعر و ادب میں 'زبان' موضوع اور ہیت کی علاحدگی کو تحلیل کر دیتی ہے۔جیسی زبان ہو گی ویسے ہی معنی ہوں گے۔جس نوعیت کے مفاہیم ہوں گے، اسی قسم کی زبان ہو گی۔ایک ذرا زبان کو تبدیل کیجیے پھر دیکھیے کہ موضوع کی کیا شکل بنتی ہے۔ زبان کی یہی قدرت موضوع اور ہیت کو لسانی تشکیلات میں جذب کر لیتی ہے۔ ڈی۔آر لینگ اور ڈی۔جی کوپر نے کہا ہے کہ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ انسانی حقیقت، جس میں ہم رہتے ہیں، اپنے جوہر میں مبہم ہو۔مبہم حقائق اس وقت واضح ہوتے ہیں جب ہم کسی شخص کو مختلف تناظروں اور تصورات کے حوالہ جات سے دیکھیں۔''[۲]

لسانی تشکیلات جدیدیت ہی کا موضوع ہے اور جدیدیت کے پس منظر کے حوالے سے نسیم نیشوفوز اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''مختلف مقامات پر جدیدیت کے نام مختلف ہوتے جاتے ہیں۔برلن میں جدیدیت کا نام ''نو رومانیت'' ہے۔ویانا میں اس کا نام ''تاثریت'' ہے۔پیرس میں اس کا نام ''علامت پسندی'' ہے، نیویارک میں اس کا نام ''اظہاریت پسند تجریدیت'' ہے،

Scanned with CamScanner

مصوری میں جدیدیت کا نام "سرئیل ازم"، ڈاڈاازم" ہے۔ شاعری میں اس کا نام کنکریٹ شاعری ہے۔ فکشن میں اس کا نام "شعور کی رو" ہے، ڈرامے میں اس کا نام "مہملیت کا تھیٹر" ہے، فلسفے میں اس کا نام "وجودیت اور مظہریت" ہے، بہر حال عصرِ جدید کی کرب انگیز حسیت کا دوسرا نام "جدیدیت" ہے۔"[۳]

لسانی تشکیلات میں لفظ کے معنی سیاق وسباق کے اندر ہوتے ہیں یا اس سے باہر بھی وجود رکھتے ہیں۔ کسی بھی لفظ کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں جو لفظ سیاق وسباق سے باہر ہوتا ہے، وہ لغاتی مفہوم کا حامل ہوتا ہے اور جو لفظ سیاق و سباق میں پیوست ہوتا ہے، اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ انیس ناگی "شعری لسانیات" میں فرماتے ہیں:

"اردو کے نئے شعرا نے معانی کا Stress بدل دیا ہے۔ نئی شعری تخلیقات سے لطف اندوز ہونے کے لیے ذہن کو از سرِ نو لیس کرنے کی ضرورت ہے۔ جب شاعر کا ذہنی افق، جذباتی اور لسانی محاورہ بدل گیا ہو، تخلیق کا انداز معانی کے غیر مروجہ اسلوب کی نشاندہی کرتا ہو تو اس صورت میں شعری نظام کے ادراک کے لیے ذہن کی انتقادی صلاحیتوں کو از سرِ نو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔"[۴]

اس طور پر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انسان کا لسانی اظہار اس کے تجربات کی وجہ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ہر زبان اپنی بقا کے لیے اپنے وسائل کو بروئے کار لاتی ہے۔ الفاظ میں یہ رجحان پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے حجم سے زیادہ معانی کے اظہار پر قدرت رکھتے ہوں یعنی الفاظ اپنی سکت سے زیادہ معانی کا بوجھ اٹھا سکتے ہوں، یہی لسانی تشکیلات کا منشور ہے۔

اردو میں لسانی مباحث کے حوالے سے لسانی تشکیلات (Canon) سے متعلق نظریات بلاشبہ ایک اہم اضافہ ہیں جنہوں نے نہ صرف اردو شعر و ادب کو ایک جدید جہت سے آشنا کیا بلکہ لسانی نقطہ نظر سے بھی اہم مباحث منظر عام پر آئے۔ ڈاکٹر شمس الرحمان فاروقی اپنے ایک مضمون "نئی شاعری: ایک امتحان" میں بیان کرتے ہیں:

"شاعری کے لیے مجرد اظہار کافی نہیں، لیکن مکمل وضاحت اور ابلاغ کی بھی ضرورت نہیں۔ نیا شاعر نیم روشنی (translucence) کا قائل ہے۔ اس کا نظریہ

Scanned with CamScanner

فن ارادی ابہام کو اہم ترین درجہ دیتا ہے کیوں کہ ابہام مختلف النوع تصورات، انسلاکات (associations) اور امکانات کو راہ دے کر ان میں ایک ڈرامائی تناؤ پیدا کرتا ہے جس سے شعر کے معنی کو جمالیاتی توانگری ملتی ہے۔ ''معنی'' سے نیا شاعر وہ ذہنی کیفیات بھی مراد لیتا ہے جو شعر سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ نئے شاعر کی نظر میں معنی کوئی علیحدہ چیز نہیں جسے شعر پر اڑھایا جا سکے بلکہ معنی کو شعر سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اسے موضوع بھی کہہ سکتے ہیں۔''۵

لسانی تشکیلات کے حوالے سے افتخار جالب کے مضامین خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جو ''لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر'' کے عنوان سے شائع ہو کر منظر عام پر آئے۔ افتخار جالب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ لسانی تشکیلات الفاظ کی نمائندگی کی بجائے اشیا کو بطور مرکب پیش کرتی ہیں اور مباحث کے نئے دروازے کھولتی ہیں۔ الفاظ شعر و ادب کی بجائے کوئی وجود نہیں رکھتے جن سے لسانی شیئت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

''لسانی تشکیلات اساسی طور پر شعر و ادب کی نیابت کرتی ہیں۔ مواد کو اس ہیئت میں دیکھنا رائج الوقت محاکموں سے نجات ہی نہیں دلاتا، بل کہ اس جوہرِ خاص کو بلا شرکتِ غیرے ممیز کرتا ہے جس کی منزہ شکل و صورت کی پہچان از خود ایک مسلک کی حیثیت رکھتی ہے۔ مزید برآں لسانی تشکیلات زبان کے تمام ذرائع سے فرداً فرداً تعرض کر کے انہیں آج کل کے سطحی اور اکہرے لسانی تار و پود میں ضم کرنے کی ضرورت کا وسیلہ بھی ہیں۔''۶

افتخار جالب صرف نئی شاعری کو ہی زیر بحث نہیں لاتے بلکہ اپنے ہاں ہونے والی ہیئت زدہ تنقید پر بھی بحث کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ بیان کرتے ہیں:

''شدید انفرادیت کہ اَن گنت واقعات کی تخصیصی تجسیمی اکائی ہے، تشکیلی حقیقت کے تصور سے متحد ہو کر یوں طلوع ہوئی ہے کہ ابلاغ کی ضرورت از خود معرضِ تشکیک میں آ گئی ہے، طرفہ تماشا بن گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو میکانیت کے اصلِ اصول ارسطالیسی منطق کے زہر کا تریاق عراق سے نہیں، اپنی زندگی سے مہیا کرتے ہیں،

Scanned with CamScanner

لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ مارگزیدہ لوگ اذیت سے نجات کے لیے تڑپتے ہوئے بھی محتسب کا وتیرہ اختیار کیے ہوئے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ ناسور نکل جائے پر صغریٰ و کبریٰ کی لذت نہ جائے۔"[۷]

افتخار جالب کی لسانی تشکیلات کو جسے انہوں نے اپنی نظم، نظر، تنقید وغیرہ میں برتا ہے، اسے سمجھنا عام قاری کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ شاعری اور تنقید کا گہرا شعور بھی لازم ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انیس ناگی کی تصنیف "نئے ادب کا معمار: افتخار جالب" اہمیت کی حامل ہے جس میں نہ صرف لسانی تشکیلات پر اجمالی بحث کی گئی ہے بلکہ افتخار جالب کے بارے میں بھی مبسوط رائے پیش کی گئی ہے۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ افتخار جالب کی خدمات پر روشنی ڈالتا ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی بیان کرتے ہیں:

"افتخار جالب ایک بے حد پڑھا لکھا ادیب ہے اور جملہ جدید علوم پر اس کی نگاہ ہے۔ لسانی فلسفہ اور لسانیات اس کا مرکزی موضوع ہیں۔ وہ ادب میں زبان کی حاکمیت پر اصرار کرتا ہے کہ زبان ایک سٹرکچر ہے جو معنی کی تشکیل بھی کرتی ہے اور اسے دریافت بھی کرتی ہے۔ وہ زبان کے ریفرینشیل تصور کی تردید بھی کرتا ہے۔ لفظ بذاتِ خود ایک شے ہے، تخلیقی عمل اس کی شیت میں اضافہ کرتا ہے۔ لسانی ادراک اشیا کا کنسپشن ہے۔ اس اعتبار سے اسے نئی اردو تنقید میں فوقیت حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے علم المعانی، ساختیات اور ان سے متعلقہ موضوعات پر مباحث کا آغاز کر کے تحسین و تخلیق ادب میں زبان کو بنیاد بنایا۔"[۸]

مشہور ماہرِ لسانیات سائیسر (Saussure) کا خیال یہ ہے کہ زبان صرف لفظوں کے ذریعے نہیں بنتی بلکہ نظامِ نشانات (System of Signs) کے طور پر بھی کام کرتی ہے اور الفاظ ان نشانات کا محض نظر آنے والا سرا ہیں۔ یہ نظامِ نشانات تجریدی ہے اور لسانیات انہی اصولوں اور کلیوں کو دریافت کرتی ہے جس سے زبان کی کلی ساخت دریافت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس حوالے سے لسانی نشان کو اس دوہرے رشتے کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے جو اس کے "صوتی امیج" اور "تصور" کے بیچ پایا جاتا ہے جبکہ نشان ان دونوں کا مجموعہ ہے یعنی نشان کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک اس کی آواز صوتی امیج، معنی تمثال اور تصورِ معنی رکھتی ہے۔ زبان میں لفظ معنی رکھتے ہیں کیونکہ لفظ

Scanned with CamScanner

رشتوں کا جامع نظام رکھتے ہیں۹۔لسانی تشکیلات کے ضمن میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ دراصل معنیات سے بحث کرتی ہے،اس لیے ڈاکٹر انیس ناگی علم المعانی کی تشریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

> ''جملہ نئے علوم میں خصوصاً علم المعانی نے لفظ اور شے کے جو نئے رشتے دریافت کیے ہیں،ان کے پیش نظر شاعری اور ادب میں معنی کی حیثیت بدل گئی ہے۔اس علم کا اولین نقش اہلِ یونان کے ادبیات میں ملتا ہے۔ ان کی تنقیدی لغت میں (Semiotics) کی اصطلاح دستیاب ہے۔اہلِ یونان کے نزدیک یہ علم کی ایک بنیادی شق ہے۔علومِ جدیدہ کی لغت میں اس کا متجانس علم المعانی ہے۔یہ وہ علم ہے جس کی رو سے لفظ اور شے کا تعلق دریافت کیا جاتا ہے۔لفظ اور شے کا تعلق معنی کا خصوصی تصور ہے۔اس علم نے اپنے دائرہ عمل کو وسیع کرنے کے لیے نفسیات سے کافی تقویت حاصل کی ہے کہ لفظ اور شے کے تعلق کی دریافت ذہنِ انسانی کے خصوصی ادراک کا نتیجہ ہے۔''۱۰

اردو میں لسانی تشکیلات کے حوالے سے ہونے والے کام کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں خاطر خواہ مواد مل جاتا ہے۔افتخار جالب کے علاوہ اس سلسلے میں وزیر آغا کی ''معنی اور تناظر''، ڈاکٹر انیس ناگی کی ''شعری لسانیات''، گوپی چند نارنگ کی ''اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ'' اور ''اردو تنقید کا اطلاقی تناظر''، ابوالکلام قاسمی کی ''شاعری کی تنقید'' اور ''معاصر تنقیدی رویے''، عتیق اللہ ''ترجیحات''، شمس الرحمٰن فاروقی کی ''شعرِ شعور انگیز'' اور ''لفظ و معنی''، ضمیر علی بدایونی کی ''جدیدیت اور مابعد جدیدیت'' اور ''مابعد جدیدیت کا دوسرا رخ''، قمر جمیل کی ''جدید ادب کی سرحدیں''، دیوندر اسر کی ''ادب کی آبرو'' اور ''نئی صدی اور ادب''، وہاب اشرفی کی ''مابعد جدیدیت''، رؤف نیازی کی ''مابعد جدیدیت'' اور ''صورت گر کچھ افسانوں کے'' بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں فہیم اعظمی، قاضی افضال حسین، شافع قدوائی، فہمیدہ ریاض اور فاطمہ حسن کے مضامین بھی قابلِ توجہ ہیں۔ڈاکٹر سعادت سعید نے اس ضمن میں کوئی باقاعدہ تصنیف تو پیش نہیں کی لیکن ان کے بعض رسائل اور دیباچوں کی شکل میں شائع ہونے والے مضامین خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔علاوہ ازیں افتخار جالب اور انیس ناگی کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی نظریہ کو معنی کی بنیاد بنایا ہے جو عملی تنقید کا عروج ہے۔

Scanned with CamScanner

ادب نظریے کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے ادب میں نئی لسانی تشکیلات نے جنم لیا۔ نثر اور نظم میں نئے تنقیدی نظریات خاص طور پر ادبی متن کے معنی کی تلاش میں ہے۔ جدیدیت، نفسیاتی تنقید، ثقافتی تشکیل اور مصنف کا لاشعور شخصی نہیں ہے۔ زبان، لسانیات اور ساختیات پر علامتوں کا اثر ہے اور وہ اصل میں لسانی اور ثقافتی ہوتی ہیں۔ کسی بھی ادب پارے کی تفہیم کے لیے معنیات اور نشانیات کا جاننا ضروری ہے۔ زبان اول و آخر سماجی ذریعہ ہے جبکہ 'معنی نما' اور 'تصور معنی' سماج کے اندر ہی ہوتا ہے۔ ماہر بشریات لیوی سٹراس، نقاد رولاں بارتھ، تاریخی فلسفی مائیکل فوکو، ماہر نفسیات لاکاں اور ادبی نقاد و فلسفی دریدا نے اپنے اپنے فکری نظام وضع کیے۔ سوسئیر کے بعد رومن جیکب سن، لوئس ہیج، ہیلیم سلیو، نوم چامسکی جیسے ماہر ین لسانیات کی فکر نے ساختیات کو متاثر کیا اور کئی ادبی تحریکیں (ساختیات، مابعد ساختیات، ردتشکیل وغیرہ) سوسئیر کے فکری نظام کی پیداوار ہیں۔ انسانی معنویت کا سرچشمہ بھی ادبی نظریہ ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس ضمن میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

> ''ہر چند اردو تنقید ابھی ساختیاتی تنقید سے پوری طرح آشنا نہیں ہوئی، تاہم اپنے خاص حالات کے تحت اس نے ابھی ایک طرح کے امتزاج کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دیے ہیں۔ وہ یوں کہ نصف صدی پر محیط اس نظریاتی آویزش کے بعد جو دائیں اور بائیں بازو کے ادیبوں میں جاری رہی ہے، اردو تنقید اب ایک امتزاجی جہت کو قبول کر رہی ہے۔''[۱۱]

اور یقیناً یہاں وزیر آغا کا اشارہ لسانی تشکیلات کی طرف ہے جسے وزیر آغا کے ساتھ ساتھ افتخار جالب، انیس ناگی، ڈاکٹر سعادت سعید، شمس الرحمان فاروقی اور گوپی چند نارنگ جیسے وسیع المطالعہ ناقدین کی بدولت جلد ہی قبول عام حاصل ہو گیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سعادت سعید کے نظموں کے مجموعے ''شناخت'' کے دیباچے کا درج ذیل اقتباس مطالعہ کے قابل ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

> ''جدید دنیا میں رہنے کے باوجود کئی نثری نظم لکھنے والے قدیم انسان کے لامحدود آزادانہ اظہار اور علامتیت پسندی کی جہتوں کو اپنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آزاد شاعری کرنے اور نثری نظم لکھنے والے علامت بناتے ہیں۔ ارنسٹ کیسیرر

Scanned with CamScanner

(Ernest Cassirer) کہتا ہے کہ انسان ایک علامتی جانور ہے۔ اس کی زبانیں، مذاہب، علوم اور فنون اس کے علامتی اظہار کی عکاسی کرتے ہیں۔ فرائڈین تحلیل نفسی (Fredian Psycho analysis) کے پیروکاروں کے خیالات کو اپناتے ہوئے بنٹری نظم نگار بھی یہ سوچتے ہیں کہ علامات اور اشارات انسانی خیالات کی نہایت واضح اور خوبصورت شکلیں ہیں۔ بادلیئر کے خیال میں شاعروں کو خیالات کے اصل علامتی مفہوم تک پہنچنے اور ادراک کی غاروں میں چھپی اصل حقیقت کو پانے کی کوشش کرنا چاہیے۔"[۱۲]

ہمارے جدید شعرا نے لسانی تشکیلات کے میدان میں بہت سے کارنامے انجام دیے ہیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید بھی اس میدان میں اپنی پہچان بنانے میں کامیاب رہے ہیں۔ وہ بھی اپنی شاعری میں علامتوں اور تشبیہوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح کسی بھی زبان کے حروف تہجی اس زبان کی علامتیں ہیں اور جو اصوات ہم اپنے منہ سے نکالتے ہیں، ان کو تحریر میں لانے کے لیے ان علامتوں کا استعمال کرتے ہیں جبکہ شاعر حضرات معنیات کو واضح کرنے کے لیے اشاروں کنایوں کا استعمال کرتے ہیں۔

افتخار جالب شعر کو شاعر کا عمل اور اس کا قول قرار دیتے ہوئے نظری اور عملی تنقید میں فرق محسوس نہیں کرتے۔ وہ ادب میں علامت اور استعارے کے ذریعے بات کرتے ہیں اور نئی لسانی تشکیلات یعنی معنی کے معنی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ افتخار جالب کے دیگر ہم عصر شعرا جنہوں نے علامت نگاری اور استعاروں کے استعمال سے نئی شاعری کو فروغ دیا، ان میں زاہد ڈار، محمد سلیم الرحمان، ذوالفقار احمد، تبسم کاشمیری، سعادت سعید، انور ادیب، فہیم جوزی، سید سجاد، سرمد صہبائی، شائستہ حبیب، نسرین انجم بھٹی، آفتاب اقبال، شمیم احمد شمیم، عذرا عباس، سارہ شگفتہ، افضال احمد سید کے نام ایسے ہیں جنہوں نے عمدہ نظمیں تحریر کیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید افتخار جالب کی تنقیدی کاوشوں کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں بیان کرتے ہیں:

"افتخار جالب کہ جنہیں نئی شاعری کی تحریک کا بانی قرار دیا گیا ہے، فکر و فلسفہ کی عصری تحریکوں سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کو لسانیات سے گہرا شغف تھا۔ مختلف متون کی تلازماتی تعبیریں انہیں مرغوب تھیں۔ ان تنقیدی مضامین کو اگرچہ نظری مضامین

Scanned with CamScanner

سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن ان میں عملی تنقید کی پہلو داریاں موجود ہیں۔ اپنے نظریات کی تشکیل و تعبیر کے لیے وہ تنقید، شاعری اور فکشن کے متون سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، فیض احمد فیض اور ن۔م راشد کے حوالوں سے اپنے بنیادی مضامین کے نظری زاویوں کی تزئین کر چکے ہیں۔ ظفر اقبال، عباس اطہر، انور سجاد، عذرا عباس اور کئی دوسرے شاعروں اور ادیبوں کے اقتباسات سے بھی ان کے مضامین مزین ہیں۔ افتخار جالب کی نظری اور عملی تنقید میں استقرائی منطق کے استعمال سے نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی اسی انداز نظر کو اپنی مرتب کردہ کتاب ''نئی شاعری'' بنیادی اہمیت دی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی نئی شاعری کی تحریک کے خلاف لکھنے والوں کے مضامین بھی شائع کیے ہیں اور ان میں سے نظری زاویوں کا انتخاب قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔''[۱۳]

افتخار جالب کی طرح گوپی چند نارنگ نے ساختیات، پس ساختیات اور ردِ تشکیل جیسے موضوعات کو آسان بنانے میں اہم کام کیا ہے۔ انہوں نے گلوبلائزیشن کے اس دور میں اردو ادب کی تنقید کو نئے زاویے اور فکر سے روشناس کرایا ہے جس کی بدولت ''لسانیات'' کی ارتقائی منازل کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے نئے تنقیدی نظریات قائم کرتے ہوئے مشرقی شعریات کا تقابلی مطالعہ کر کے نئے معنی وا کیے ہیں۔ مشرقی شعریات کے حوالے سے انہوں نے سنسکرت، عربی، فارسی شعریات کی تفہیمِ نو میں تاریخی قدم اٹھایا جس سے اردو تنقید میں نئی جہت پیدا ہوئی۔ مناظر عاشق ہرگانوی اپنی تصنیف ''گوپی چند نارنگ اور ادبی نظریہ سازی'' میں بیان کرتے ہیں:

''گوپی چند نارنگ نکتہ رس ہیں اور بیباک نظریہ ساز ہیں۔ اردو تنقید کے فلسفی ناقد ہیں کیونکہ ان کا اپنا اندازِ نظر ہے جو اپنی شناخت اور دبستانِ فکر رکھتے ہیں۔ ماہرِ لسانیات اور ادبی تنقید کے تازہ فکر اور تنوع پسند ناقد ہیں۔ جدید اور قدیم ادب میں نئی معنویت تلاش کرنے والے یکتا ناقد ہیں۔۔۔۔ ساختیاتی فکر میں گہری بصیرت پیدا کر کے انہوں نے تنقید کے نئے دبستانوں کو اردو میں باضابطہ طور پر روشناس کرایا

Scanned with CamScanner

ہے۔ ساختیاتی فکر سے ان کی مراد نشانیات (Semiology) کے جملہ فکری ضابطے ہیں جن کا اثر نئی ادبی تھیوری نے قبول کیا ہے۔''[۱۴]

اس حوالے سے گوپی چند نارنگ کی تصنیف ''جدیدیت کے بعد'' خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے جس میں انہوں نے لسانیات اور ساختیات کے ہمراہ معنیات کے حوالے سے نظریات قائم کیے ہیں۔ علاوہ ازیں مغرب کے لسانی فلسفی نقادوں کے تراجم کر کے نئے مباحث کے در وا کیے ہیں۔ انہوں نے لسانیات کو میکانکی معنی میں نہیں بلکہ فلسفۂ لسان کے معنی میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک ساختیات کو اتنی نسبت لسانیات کے میکانکی اصول و قواعد سے نہیں ہوتی جتنی معنیات کے فلسفے سے ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ زبان و ادب کا بنیادی کام یہی ہے کہ ابلاغ کی ترسیل ممکن ہو سکے۔ جدیدیت کے بعد ساختیات اور ردِ تشکیل دونوں متوازی انداز میں سامنے آئے۔ اب نشانیات ہو، ساختیات، پس ساختیات یا ردِ تشکیل، یہ سب نئے نظریے کی جہات ہیں جن کے بعد شعری لسانیات میں معنیات پر زیادہ توجہ صرف ہوئی جو قاری پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

افتخار جالب اور گوپی چند نارنگ کے ہمراہ اس میدان میں ڈاکٹر وزیر آغا کا بھی نام آتا ہے جنہوں نے نئے تنقیدی نظریہ ''ساختیات اور سائنس'' پر مکمل کتاب مرتب کی ہے۔ اس میں مغربی فلسفی نقادوں کے نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر آغا سہیل کی تصنیف ''ادب اور عصری حسیت'' بھی اس ذیل میں اہم اضافہ ہے جس میں انیس اور دبیر کا تقابلی مطالعہ جدید مباحث کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ طارق سعید کی تصنیف ''اسلوب اور اسلوبیات'' میں بھی لسانی تشکیلات کے حوالے سے چند مضامین مرتب کیے گئے ہیں جبکہ احمد سہیل کی تصنیف ''ساختیات: تاریخ، نظریہ اور تنقید'' میں خاص طور پر ترجمے کے حوالے سے بحث کی گئی ہے کہ ترجمے میں معنویت اور متن کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں وژن دریافت کیا جاتا ہے۔ ترجمے میں زبان اور الفاظ کو ترجمہ کی ہوئی زبان میں منتقل کیا جاتا ہے جس میں اصل یا قریب ترین معنویت ہوتی ہے۔ تاہم ترجمے میں لسانی مشابہت بھی ضروری ہے جس سے معانی دریافت کیے جاتے ہیں۔ اسی میدان میں ایک نیا اور اہم نام ناصر عباس نیّر کا ہے جنہوں نے جدیدیت اور ساختیات کیا ہے کے عنوان سے مقالے مرتب کیے ہیں جبکہ حال ہی میں ان کی اس ذیل میں ایک اور تصنیف ''لسانیات اور تنقید'' بھی منظر عام پر آئی ہے۔ ناصر عباس نیّر مغربی تنقید سے متاثر ہوئے ہیں اور ادب میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی طرح نئے نظریات پر بحث کر رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

مجموعی طور پر فی زمانہ نئے لسانی نظریات جنم لے رہے ہیں اور ماہرینِ لسانیات لسانی تشکیلات میں معنی کے معنی جاننے کی کوشش میں پیہم مصروف دکھائی دیتے ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا لسانی اظہار اس کے تجربات کی وجہ سے آئے روز تبدیل ہوتا رہتا ہے۔اس لیے لفظ میں معنی کے اظہار کی صلاحیت زیادہ ہونی چاہیے۔اگر الفاظ اشیا کا قائم مقام ہونے کی بجائے کثیر المعانی ہوں گے تو خیالات، جذبات، احساسات اور ادراک کا اظہار بہتر ہو سکے گا۔

Scanned with CamScanner